© rasailojaraid.com

اسلامی مملکت میں عدالت کا تصوّر اور اختیار

گل محمد خان ۔ سابق چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت

اسلامی معاشرہ میں عدل انتہائی اہم اور مرکزی حیثیت کا حامل ہے ۔ عدل کے معنی ہیں دونوں اطراف کا برابر ہونا ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب قائم رکھنے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ قرآن کریم نے نظام عدل کو میزان کہا ہے ۔ لہذا معاشرہ میں اضداد حقوق یا فریقین میں برابر کا سلوک کرنا انہی معنی میں آئے گا لہذا کسی کے حقوق و واجبات پورے پورے ادا کرنا یا اگر کسی کا حق غصب کر لیا گیا ہو تو اسے پورے کا پورا واپس دلوانا بھی عدل ہے اسی طرح کسی کی محنت کا ٹھیک ٹھیک معاوضہ دینا یا دلوانا عدل کرنا کہلائے گا ۔ عدل قرآن کریم کی بنیادی قدر ہے اللہ فرماتا ہے کہ کائنات کا عظیم نظام میزان کی رو سے قائم ہے ۔ اس لیے انسانوں کو بھی چاہیے کہ وہ معاشرہ میں میزان کو قائم رکھیں (۶ : ۱۵۲) جس معاشرہ میں عدل باقی نہ رہے اس کا نظام درہم برہم ہو کر بکھر جاتا ہے ۔ اسی کو فساد کہتے ہیں یاد رہے اللہ نے انسانی تخلیق میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے (۷ : ۸۲)

عدل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ۔ زوجین کا ایک دوسرے کے حقوق ۔ والدین کا بچوں کے حقوق ۔ بچوں کا اپنے بوڑھے والدین کے حقوق ۔ پڑوسیوں کا ایک دوسرے کے حقوق ۔ دکاندار کا گاہک کے حقوق ۔ مالک کا ملازم کے ۔ آقا کا غلام کے آجر کا اجیر کے حکومت کا شہریوں کے ایک کاروباری کا دوسرے کاروباری کے حقوق کا پورا کرنا عین عدل کا تقاضا ہے ۔ اسلام کی پوری کی پوری تعلیم ایسے معاشرہ کی تشکیل کی داعی ہے جس میں ہر ایک فرد دوسرے فرد یا افراد کے حقوق کو نہ صرف پورا کرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اُسے تحفظ دے ۔ ایسے معاشرہ میں بے انصافی عام طور پر مفقود ہوتی ہے مگر جہاں کہیں کسی کو اپنے حقوق کے پامال ہونے کی شکائت ہو دوسرا فریق عدل کا اُسی طرح خواہاں ہوتا ہے جیسا کہ مدعی ۔ ایک فریق جان بوجھ کر دوسرے فریق کا حق غصب نہیں کرتا ۔ لہٰذا عدلیہ کی ضرورت صرف اُن معاملات میں ہوتی ہے جہاں فریقین کو ایک دوسرے کے حقوق کے تعین میں دِقت یا شک ہو ۔ جان بوجھ کر دوسروں کے حقوق غصب کرنا اِسلامی معاشرہ کا شعار نہیں ہو سکتا لہٰذا ایسی حالت میں بے انصافی کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے ۔

تمام سماوی کتب میں اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کی تلقین کی ہے مگر جہاں تک حاکموں اور ریاست کا تعلق ہے عدل پر خصوصی زور دیا ہے ۔ مثلاً قرآن نے حضرت داؤد علیہ السّلام سے کہا "اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے پس لوگوں میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرنا ورنہ وہ خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں گی ۔ جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں اُن کیلئے سخت عذاب ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ " (صٓ : ۲۶) اسی طرح سورۃ الحدید (۲۵ : ۵۷) ہم نے اسی اصلاحِ آخرت کے لیے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے اِس کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے (کے حکم) کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں ۔ ۔ ۔ " اور پھر سرورِ کائنات فخرِ موجودات نبی اقدس محمد رسول اللہ صلعم کے لیے یہ فرمایا کہو مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان میں عدل رکھوں " (الشوریٰ ۱۵ : ۴۲) ۔ سورۃ اعراف (۲۹ : ۷) میں بھی ایسا ہی حکم دیا فرمایا "آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے " مندرجہ بالا احکامِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کا اوّلین فرض قیام عدل و نظامِ عدل ہے تاکہ لوگوں کو اُن کے حقوق کے تحفظ کا یقین ہو ۔ امن و امان سے متعلق شک و شبہ نہ ہو تاکہ وہ اپنے دینی و دنیاوی فرائض یکسوئی اور دل لگی سے سرانجام دے سکیں ۔

ہم نے متذکرہ آیات ربانی میں یہ بھی دیکھا کہ پیغمبروں یا خلفاء کو عدل قائم کرنے کو صرف کہا نہیں بلکہ قانون اور رہنمائی بھی عطا فرمائی ۔ سورۃ الحدید (۲۵ : ۵۷) میں فرمایا ہر رسول کے ساتھ میزان نازل کی تھی اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ "ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اِس سے پہلے جو کتابیں ہیں اِن کی بھی تصدیق کرتی ہے اور اِن کتابوں کی محافظ ہے تو اِن کے باہمی معاملات میں اِسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور جو بھی کتاب آپ کو ملی ہے اِس سے دور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو کر اُن کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے" (۴۸ : ۵)" اور ہم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے کسی بھیجے ہوئے حکم سے بھٹکا نہ دیں" اور اس کے ساتھ یہ تنبیہ بھی کر دی کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق فیصلہ نہ کرے تو وہ ظالم ہے فاسق ہے"۔ اور ان احکام کی پیروی کرنے والوں کو نوید بھی سنائی کہ "بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں" (۵ - ۴۴ - ۴۷)

اللہ رب العزت نے عدل کی مرکزی حیثیت کا تعین حکومت کے حوالے سے سورۃ نساء آیت ۵۹ میں یوں کیا۔" اے ایمان والو تم اللہ کا کہا مانو اور رسول کا کہا مانو اور تم میں سے جو لوگ اہل حکومت ہیں اُن کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو۔۔۔۔ یہ آیت مبارکہ نہ صرف اسلامی دستور۔ طرز حکومت۔ حکمرانوں اور باشندگان کی ذمہ داریوں کا تعین کرتی ہے بلکہ ایک پورا نظام عدل بھی متعین کرتی ہے۔ یہ آیت حکم الٰہی اور رسول اللہ کو قانون اول کا درجہ دیتی ہے اور تقاضا کرتی ہے کہ حاکمیت انہی کی ہے قانون انہی کا ہے اور تابعداری انہی کی ہے اور بعدہ زمین پر جو لوگ بھی حکمرانی کے لیے متعین کئے گئے ہیں ان کی فرماں برداری۔ ہاں اگر کسی باشندہ کو کسی حکم کے متعلق شک ہو کہ وہ اللہ اُس کے رسول کے احکام سے متصادم ہے یا اُس سے تجاوز و انحراف کرتا ہے یا اُس کے نتائج منشائے الٰہی و رسول اللہ کے خلاف ہیں تو وہ انہیں چیلنج کر سکتا ہے اور اس کا فیصلہ اللہ و رسول کے احکام کے مطابق کیا جائے گا۔ اس آیت کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادارہ یا فرد جس کے پاس اولی الامر کے احکام یا کردار کو چیلنج کیا جائے گا وہ اولی الامر سے مختلف ہوگا۔ ان احکام کی رو سے معترض باشندگان کو تصفیہ کے لیے اولی الامر کی طرف نہیں لوٹایا گیا بلکہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف اس آیت کا منشا صاف ظاہر ہے کہ کوئی آدمی یا ادارہ اپنے ہی فیصلہ کے خلاف خود منصف کی حیثیت حاصل کرنے کا مجاز نہیں۔ وہ خود مدعا علیہ اور خود حاکم نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے کسی تیسرے ادارہ یا فرد کی ضرورت ہوگی اور اُسے عدالت کا نام دیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل انتظامیہ اور عدلیہ کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا حکم دیا لہٰذا اس کلیہ کی تخلیق کا سہرہ کسی مغربی مفکر کے سر باندھنا درست نہیں۔ یہ قطعی اسلامی نظریہ ہے اور اسلام میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماخوذ ہے۔

اسی آیت میں ایک دوسرا قابلِ غور کلیہ یہ ہے کہ اٹل اور غیر متبدل قانون یا احکام تو اللہ اور اُس کے رسول کے ہیں اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین اور احکام اللہ اور اُس کے رسول کے قانون کے تابع اور موافق ہوں ورنہ باشندگان ان کی اتباع اور پیروی کے پابند نہیں۔ یہ کلیہ مغربی کلیہ RULE OF LAW سے بہت وسیع اور ارفع ہے۔ مغربی کلیہ میں پابندی صرف اس قدر ہے کہ اتباع کا تقاضا کرنے والا قانون یا کوئی بھی حکم ملکی قانون ساز مقتدرہ کا ہو یا اُس کے موافق ہو۔ وہاں یہ پابندی نہیں کہ وہ قانون یا حکم قانونِ قدرت یا تورات و انجیل سے متصادم نہ ہو۔ یعنی بندوں کا بنایا ہوا قانون چاہے وہ کتنا ہی غیر فطری اور نامعقول ہو اُس کی تابعداری لازمی ہے۔ یہاں میں ایک بات کی وضاحت بھی کرتا چلوں۔ وہ ریاستیں جہاں تحریری دساتیر ہیں وہاں دوسرا کوئی قانون اگر دستور کے کسی ضابطہ سے متصادم ہو تو قابلِ عمل اور پیروی نہیں گردانا جاتا۔ جبکہ وہ دساتیر بھی تو انسان کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی اصول پر اگر انسان کا تخلیق کردہ کوئی دستوری ضابطہ اللہ ورسول کے قوانین یا احکام سے متصادم ہو تو اسلامی ریاست میں اُس دستوری ضابطے کی تعمیل و پیروی سے بھی انکار کیا جا سکتا ہے اور عدلیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اُس دستوری ضابطہ کی نوعیت پر فیصلہ دے۔

اس ضمن میں احادیث رسول اللہ کا حوالہ دینا بھی مناسب ہوگا۔ "السمع والطاعة على المرء المسلم فی ما احب وکره ما لم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة" (بخاری و مسلم) یعنی مسلمان کو لازم ہے کہ اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا نہ تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب اُسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اُسے نہ کچھ سننا چاہیے اور نہ ماننا چاہیے۔ ایک دوسری حدیث ہے کہ "لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف" (بخاری مسلم) یعنی خدا اور رسول کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت جو کچھ بھی ہے "معروف" میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا "یکون علیکم امراء تعرفون وتنکرون فمن انکر فقد برئ ومن کره فقد سلم ولکن من رضی وتابع فقالوا افلا نقاتلهم؟ قال لا ما صلوا (مسلم) حضورؐ نے فرمایا تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر۔ تو جس نے ان کے منکرات پر اظہار ناراضی کیا وہ بری الذمہ ہوا۔ اور جس نے انکو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا۔ مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا وہ ماخوذ ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا پھر جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نظام صلوٰۃ قائم رکھیں۔

Independence of judiciary

ایک تیسرا کلیہ جو اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے وہ ہے یعنی عدلیہ کی فریقین اور خاص طور سے حکومت اور انتظامیہ سے علیحدگی تاکہ نہ ہی حکومت اور انتظامیہ عدلیہ پر کسی طرح سے اثر انداز ہوسکیں اور نہ ہی دیگر فریقین۔ آج کی اس دنیا میں وہ ریاستیں جو مہذب ہونے کی دعویدار ہیں اسی کلیہ کی بدولت دیگر قوموں پر برتری اور سبقت کا حق جتاتی ہیں۔ مگر جیسا کہ اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے یہ کلیہ بھی چودہ سو سال سے منصۂ شہود پر افشاں اور تاباں ہے اور کوئی دوسرا مفکر اس کی تخلیق کا دعوٰے نہیں کرسکتا۔ اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ قاضیوں نے خلیفہ تک کو اپنی عدالت میں بلایا اور دادرسی کی بلکہ خلیفہ عبدالرحمٰن اندلسی نے تو اُس قاضی کو معزول کر دیا جو اس کی تعظیم کے لیے عدالت کی کرسی سے اٹھا۔ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قاضی پر اعتراض کیا جب اس نے دوسرے فریق کی موجودگی میں خلیفہ کو زیادہ تعظیم دینے کی کوشش کی۔

چوتھا کلیہ اس آیت میں یہ ہے کہ اسلام میں سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ بادشاہ ہو یا گدا۔ خلیفہ ہو یا ایک معمولی کارکن۔ صدر مملکت ہو یا چپراسی۔ آجر ہو یا اجیر۔ سرمایہ دار ہو یا مزدور کسی کو کسی اور پر برتری و سبقت نہیں۔ قانون کے سامنے سب برابر ہیں اور ایک ہی صف میں کھڑے ہیں اپنے دنیاوی جاہ و مرتبہ کے بل بوتے پر مدعا علیہ کسی رُو رعایت کا مستحق نہیں۔ یہی وہ مساوات ہے جس نے غیر مسلموں کے دل موہ لیے۔ یہی وہ عمل ہے جس نے عدل جہانگیری کو جہانگیر کی شناخت بنا دیا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اسلام میں ایسی عدلیہ کا تصور ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے قانون سے رہنمائی حاصل کرتی ہے ہر ایسا حکم یا قانون جو احکام الٰہی کے خلاف۔ منافی یا متجاوز ہو اسے رد کرتی ہے کسی بڑے سے بڑے سے بھی مرعوب نہیں ہوتی وہ جب تک ظالم کو مجبور اور مظلوم کو طاقتور ہونے کا یقین نہ دلا سکے اپنے آپ کو اسلام کی صحیح وارث نہیں سمجھتی۔ اسلامی عدلیہ فریقین میں تمیز نہیں کرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نہ کسی کو اس لیے رعایت دیتی ہے کہ وہ دنیاوی طور پر زیادہ جاہ و حشمت والا ہے۔ اس کے پاس ایک ہی قانون اور ایک ہی ضابطہ سب کے لیے ہے۔ اس میں اپنے اور غیر۔ بڑے اور چھوٹے۔ امیر و غریب۔ شریف و کمین کے لیے الگ الگ حقوق نہیں ہیں بلکہ جو حق ہے وہ سب کے لیے حق ہے جو گناہ ہے وہ سب کے لیے گناہ ہے۔ جو حرام ہے وہ سب کے لیے حرام ہے اور جو جرم ہے وہ سب کے لیے جرم ہے اور اس کا ایک ہی میزان ہے جو تول کر صحیح اور غلط۔ حق اور باطل۔ ظلم اور عدل۔ راستی و گمراہی کا فرق واضح کرتا ہے۔

متذکرہ بالا خصائص والی عدالت تو اس وقت قائم ہو سکتی ہے جب حاکم یا عادل بھی ان خصوصیات اور خوبیوں کا مالک ہو جو اللہ اور اس کے رسول نے متعین کی ہیں۔ لہٰذا اب ہم اُس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اوپر دی ہوئی چند آیات مثلاً سورۃ الحدید کی ۲۵ سورۃ مائدہ ۴۸ اور سورۃ ص ۲۶ میں یہ وضاحت سے فرمایا کہ باہمی معاملات یا تنازعات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اس لیے اولین شرط جج کے عہدہ پر فائز کرنے کی یہ ہے کہ وہ شخص کتاب اللہ سے خاطر خواہ واقفیت رکھتا ہو۔ اس کی تشریح اور تفسیر کر سکتا ہو۔ دنیاوی معاملات جو وجہ تنازع بنتے ہیں کا علم رکھتا ہو۔ سورۃ مائدہ آیت ۸ میں اللہ نے فرمایا کہ خاص لوگوں کی عداوت تمہارے لیے عدل نہ کرنے کا باعث نہ بن جائے سورۃ الانعام آیت ۱۵۲ میں کہا کہ جب تم بات کیا کرو تو انصاف مدنظر رکھا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہو۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم جب کرسی عدالت پر بیٹھے تو کسی سے دشمنی یا رشتہ داری اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دے اور وہ اپنے جذبات سے نہ صرف متاثر نہ ہو بلکہ ان کو قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔ اس قسم کے جذبات کا اتباع نہ کرنے کا حکم سورۃ نساء آیت ۱۳۵ میں بھی دیا فرمایا کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اپنی جماعت کے باہر لوگوں کے خلاف سب کچھ جائز ہے مگر ایک مسلمان اگر ایسا خیال کرے تو قرآن اس کا یہ خیال باطل گردانتا ہے (آل عمران ۷۵)۔ کیا یہ جذبات کی نفی اور جذبہ انصاف کی انتہا نہیں کہ اللہ رب العزت نے سورۃ الممتحنہ آیت ۱۰ میں حکم دیا کہ اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں دار الحرب سے ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لیا کرو اور اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف مت واپس کرو مگر ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو۔

ایک مسلمان جج کا کام صرف کتابی انصاف کرنا نہیں۔ بلکہ انصاف کے سارے تقاضے پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا ہیں۔ سب سے افضل فیصلہ تو وہ ہے جسے دونوں فریق بخوشی قبول کرلیں اور وہ اس وقت ممکن ہے جب ان میں صلح صفائی ہو جائے (الحجرات آیت ۹) اللہ تبارک و تعالیٰ نے صلح کی تلقین فریقین کو بھی کی ہے (سورۃ الشوریٰ آیات ۴۳ - ۴۰) " اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے مگر جو شخص معاف کرے اور مصالحت کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے " بلکہ مصالحت اس قدر بابرکت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " اگر وہ دونوں مصالحت کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ انکے درمیان اتفاق پیدا کر دیں گے۔ (النساء ۱۲۸) مصنف عبد الرزاق جلد ہشتم صفحہ ۳۶۴ پر محارب بن دثار سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فریقین کو (ابتدائی مرحلہ کے طور پر) واپس کر دیا کرو تاکہ وہ مصالحت اور راضی نامہ کرلیں اس لیے کہ بعض اوقات عدالتی فیصلہ (بے لاگ ہونے کی وجہ سے) لوگوں کے مابین دشمنیوں کو جنم دیتا ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ حاکم کو حلیم الطبع بردبار اور تحمل والا ہونا چاہیے تاکہ اگر ممکن ہو تو عدالتی فیصلہ کی بجائے فریقین کی رضامندی حاصل کرے جس سے نہ صرف خصومت کا فیصلہ ہو جائے بلکہ فریقین میں دشمنی یا بے تعلقی کی بجائے محبت والفت کے جذبات جنم لیں۔

ہمارے حنفی فقہاء کے نزدیک عہدہ قضاء پر کسی شخص کا تقرر اس وقت تک صحیح نہیں ہوگا جب تک اس شخص میں گواہ کی صفات نہ پائی جائیں لہذا اس شخص کا مسلمان۔ عاقل بالغ اور آزاد ہونا بینا ہونا بہرہ اور گونگا نہ ہونا ضروری ہے ساتھ ہی اس پر پہلے کبھی حدِ قذف نہ لگی ہو اور وہ ان لوگوں سے ہونا چاہیے جو احکام شرعیہ سے واقف ہوں۔ اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اور حکمران کی طرف سے فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ قضا ایک محکم فریضہ اور ایسی سنت ہے جس پر عمل ہوتا رہا ہے صحابہ کرام اور تابعین نے خود یہ کام کیا۔ بعد میں سلف صالحین بھی اس کام کو کرتے رہے لیکن یہ کام فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے لازمی ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے اسکی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ واجب۔ اس شخص کے لیے جس کے علاوہ کوئی اہل شخص اس منصب کو سنبھالنے والا نہ ہو۔

۲۔ مستحب۔ اس شخص کے لیے جو دوسرے اہل لوگوں کی بہ نسبت زیادہ اہل اور زیادہ مناسب ہو۔

۳۔ اختیاری۔ اس شخص کے لیے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ صلاحیت اور اہلیت میں برابر ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ ۔ **مکروہ** ۔ اِس شخص کے لیے جو منصب قضا کے لیے اہل تو ہو لیکن دوسرے اِس سے زیادہ اہل ہوں ۔

۵ ۔ **حرام** ۔ اِس شخص کے لیے جو اپنے بارے میں یہ جانتا ہو کہ وہ یہ کام نہ کر سکے گا ۔

تاہم یہ ایک نہایت ہی نازک اور مشکل عہدہ ہے سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کے مابین قاضی بنا دیا گیا وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا ۔ مسند امام احمد اور السنن للبیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ۔ قیامت کے روز قاضی عادل کو بلایا جائے گا اور اسکو اسقدر سخت محاسبہ کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش کبھی دو آدمیوں کے درمیاں ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا ۔

ایک دوسری روایت حاکم کی المستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں کا والی بنایا گیا اور اِن کے مابین اِن کی پسند اور ناپسند کا لحاظ رکھے تو اس کو قیامت کے دن اِس حال میں لایا جائے گا کہ اِس کے ہاتھ اِس کی گردن سے بندھے ہوں گے ۔ اب اگر اِس نے یہ سب فیصلے اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق کئے ہونگے نہ اپنے فیصلوں میں رشوت لی ہوگی نہ کسی کی پرواہ کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اِس کے یہ بند کھول دے گا ۔ جس دِن اِس کے علاوہ کسی کا بند نہیں ہوگا سوائے اُس کے جس نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق فیصلے کئے ہوں گے ۔ اپنے فیصلوں میں رشوت لی ہوگی اور جانبداری سے کام لیا ہوگا تو اس کا دایاں ہاتھ اُس کے بائیں ہاتھ سے باندھ دیا جائے گا اور اِس کے بعد اِس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا ۔ نعوذ باللہ منہ ۔

مسروق تابعی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حاکم عدالت ایسا نہیں جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو جس کو قیامت میں اِس حال میں حاضر نہ کیا جائے کہ ایک فرشتہ نے اُس کے سر کی گدی پکڑ رکھی ہوگی پھر اس کا سر آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا پھر اگر یہ حکم ہوا کہ پھینک دو تو اُس کو گڑھے میں چالیس سال کے لیے پھینک دیا جائے گا ۔ ایک دوسری روایت عبداللہ بن موہب نے حضرت عثمانؓ سے کی ہے کہ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے فرمایا: جاؤ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کی ذمہ داری لے لو۔ انہوں نے جواب دیا: امیرالمومنین! کیا آپ مجھے معاف نہیں فرمائیں گے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہیں قاضی کا منصب سنبھالنے میں کونسی چیز ناپسند ہے جب کہ تمہارے والد بھی قاضی تھے؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ جو شخص قاضی ہو اور پورے عدل و انصاف سے فیصلہ کرے تو مناسب تو یہی ہے کہ وہ برابر سرابر چھوٹ جائے۔ اب اس کے بعد میں کیا امید رکھ سکتا ہوں۔

مندرجہ بالا واقعات سے اس منصب عدالت کی اہمیت و نزاکت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخر جس شخص کے اختیار میں لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا فیصلہ کرنا ہو اور اس نے فی الواقعہ ایسے فیصلے کئے ہوں تو قیامت کے روز اس سے سخت باز پرس ہوگی کہ عادل سے عادل اور انصاف پرست سے انصاف پرست قاضی بھی یہی چاہے گا کہ برابر برابر چھوٹ جائے اور کسی مزید اجر کا متمنی نہ ہو مگر اس منصب کی فضیلت بھی بہت ہے۔ السنن الکبریٰ للبیہقی میں عبداللہ بن میسرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دوس بن قیس کو جو کوفہ میں عام لوگوں کے قاضی تھے یہ کہتے سنا: مجھے ایک بدری صحابی نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: میں اس نشست پر بیٹھوں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔ شعبہ جو اس کے راوی ہیں کہتے ہیں میں نے (عبدالملک بن میسرہ سے) پوچھا کہ کونسی نشست مراد ہے تو انہوں نے جواب دیا وہ قاضی تھے۔

بخاری کتاب الاحکام میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو چیزیں ایسی ہیں جن میں حسد کیا جا سکتا ہے: ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو اور حق کے راستہ میں اُس کو خرچ کرنے کی توفیق فرمائی اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ الحکمت و دانائی سے نوازا۔ وہ اُس کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہو۔ السنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا مقدمہ لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا اِس حالت میں بھی فیصلہ کروں جب کہ آپ یہاں خود تشریف فرما ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں ۔ انہوں نے عرض کی کس بنیاد پر فیصلہ کروں آپ نے فرمایا (اجتہاد کرو) اگر تم اجتہاد کرنے میں راہِ راست پر پہنچ گئے تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا اور اگر تم اجتہاد میں غلطی کر گئے تو بھی اجر ملے گا ۔ اس قسم کی دوسری احادیث حضرت عقبہ بن عامر جہنی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصاف کرنے والے لوگ اللہ کے ہاں خدائے رحمان ورحیم کے دائیں طرف نور کے ممبروں پر بیٹھے ہوں گے اور یہ یاد رہے کہ خدا کے ہاں ہر سمت دائیں سمت ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اپنے لوگوں میں اور تمام سرکاری ذمہ داریوں میں عدل و انصاف کرتے رہے ۔ (احمد ۔ مسلم ۔ نسائی) خود قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے کئی بار فرمایا کہ عدل کرو یہ تقویٰ سے قریب ہے (۸ : ۵) اور اللہ مقسطین کو پسند فرماتا ہے (۸ : ۶۰ ، ۹ : ۴۹ ، ۴۲ : ۵) ۔ السنن الکبریٰ للبیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاضی اپنی نشست پر بیٹھتا ہے تو اس پر دو فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو اُس کو صحیح راستہ پر رکھتے ہیں اس کو حسنِ توفیق بخشتے رہتے ہیں اور اُس کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں (یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے) جب تک وہ ظلم و تعدی کا ارادہ نہ کرے ۔ جونہی وہ ظلم و جور کی طرف مائل ہوتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اُس کو چھوڑ کر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں ۔

لہٰذا قاضی کا عہدہ عطا ہونا تو نہایت فضیلت کی بات ہے مگر اس کے قبول کرنے سے قبل انسان کو کئی بار سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اِس کے تقاضے پورے کر سکتا ہے ؟ وہ تقاضے کیا ہیں اولین تو یہ ہے کہ منصب قضا کو زبان یا دل سے طلب نہ کرے ہاں اگر اس کے علاوہ کوئی اور اِس کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو پھر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے اس کو یہ منصب طلب کرنا ضروری ہے جیسے نماز جنازہ وغیرہ بطور فرض کفایہ ضروری ہو جاتی ہے ۔ اگر کسی ملک یا شہر میں بہت سے لوگ منصب قضا کی صلاحیت رکھنے والے ہوں اور ان میں سے چند ایک اُسے قبول کرنے کو تیار نہ ہوں تو وہ گنہگار نہ ہوں گے ۔ لیکن اگر سبھی انکار کر دیں اور اُس کے نتیجہ میں کسی جاہل کو یہ منصب مل جائے تو وہ سب کے سب گناہ میں شریک ہوں گے ۔ لہٰذا ہمارا موجودہ طریقہ کار کہ اہلیت اور خوبیاں بیان کرنے کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب اہل لوگوں سے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں تو اُن میں کوئی قباحت یا خرابی نہیں کیونکہ ہر ایک درخواست گذار اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ اہل سمجھ کر ارادہ خدمت ظاہر کرتا ہے ۔ ہاں اگر حکمران کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر کر دے جو منصب قضا کی صلاحیت نہیں رکھتا جبکہ ملک میں صلاحیت رکھنے والے لوگ موجود ہوں تو حکمران گنہگار ہوگا ۔

رشوت دے کر قاضی بننا گناہ ہے اور قانوناً وہ آدمی قاضی نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر وہ کوئی فیصلہ کرے تو نافذ العمل نہیں ہونا چاہیے ۔ ہاں اگر وہ کسی دوسرے قاضی کی عدالت میں نفاذ کے لیے پیش ہو اور وہ اسے صحیح سمجھ کر نافذ العمل قرار دے تو ٹھیک ورنہ کالعدم ہوگا۔ اس لحاظ سے سفارش سے ایسے شخص کا یہ منصب حاصل کرنا جبکہ وہ نہ صرف صلاحیت سے محروم ہے بلکہ اس سے بہتر لوگ موجود تھے اور اس کی سفارش اور اثر کی وجہ سے مسلمان اُس کی خدمت سے محروم ہوئے تو اس کے فیصلے بھی نافذ العمل قرار نہیں دیئے جا سکتے ۔ مگر اس میں مشکل یہ ہے کہ یہ کون اور کب ثابت کرے کہ اُس شخص نے یہ منصب سفارش یا رشوت سے حاصل کیا جبکہ اور با صلاحیت لوگ موجود تھے لہٰذا آج کے دور میں جب کہ عام طور سے ہر عدالت کا فیصلہ کم از کم ایک اپیل میں جاتا ہے اور اگر وہ قابل نفاذ سمجھا جاتا ہے تو پھر نافذ العمل رہے گا ۔

منصب قضا کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ قاضی ظالم کے لیے سخت گیر اور مظلوم کے لیے ہمدرد ہو زمانہ حال میں ظلم اپنی بلندیوں پر ہے ظالم کے ہاتھ بہت لمبے اور اُس کی پہنچ بہت اونچی ہے ۔ موجودہ نظامِ حکومت میں جاہل اور ظالم لوگوں کا مجلس شوریٰ کا ممبر بننا آسان تر ہو گیا ہے کیونکہ اس میں صاحب الرائے ہونا شرط نہیں ۔ علم و دانائی کی نہ تو ضرورت ہی محسوس کی جاتی ہے اور نہ اُس کی قدر ۔ کوئی ایسا طریقہ بھی رائج نہیں کیا گیا کہ صرف نیک متقی ۔ پرہیزگار اور اہل الرائے عالم لوگ اس میں شامل ہوں بلکہ دیانتدار لوگوں کو اس عہدہ فائدہ سے دور رکھنے کے لیے کئی انتظام کئے گئے ہیں ۔ مثلاً سب سے پہلا اقدام یہ کیا گیا کہ طرزِ انتخاب اس قدر روپیہ طلب کرے کہ نیک اور مال رکھنے والے دیندار لوگ ایسے خلاف شرع اور گناہ سمجھتے ہوئے اس کے پاس بھی نہ پھٹکیں ۔ مہم انتخاب میں ایسے جھوٹے اور مبہم وعدے کئے جائیں کہ دیانت و امانت والے اُس سے پناہ مانگیں ۔ ووٹ مال یا مراعات دیکر خریدے جائیں ۔ بیت المال کا بے دریغ ضیاع صرف اس لیے کیا جائے کہ ایک ہی خیال اور قماش کے لوگ حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر قابض ہو کر اپنی من مانی کریں۔ علاقہ کے ان لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے جن کے ظلم و تعدی سے خائف ہو کر اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے غریب اور مظلوم لوگ اُن کو ووٹ دیں۔ ایسے حالات میں جب حکومت کا چلانا ظلم کی مدد سے ہو اور فرماں روا ظالم لوگوں سے یا تو خائف ہوں یا ان کی مدد کے بغیر حکومت چلانے سے قاصر تو قضا کے لیے وقت امتحان ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی شخص سمجھے کہ ان حالات میں وہ ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے اور ظلم کے آگے نہ جھکنے کا تہیہ کر بیٹھا ہے تو دین و دنیا میں سرفراز ہو گا اور ایسے ہی اشخاص کی اس وقت ضرورت ہے۔

آج کے زمانہ میں مہنگائی زوروں پر ہے۔ اور ہماری ضروریات زندگی بھی سب حدیں پھلانگ کر اُس جگہ پہنچ چکی ہیں جہاں ایک خاص رقم ان کے حصول کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی مقرر کردہ تنخواہیں اس قدر کم اور اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ اکثر لوگ رشوت لینا نہ صرف جائز بلکہ حسب منشا حکومت سمجھتے ہیں۔ تو الا ماشاء اللہ لوگ نیچے والی عدالتوں کے متعلق انتہائی مایوس ہو چکے ہیں۔ نتیجتاً بے ایمانی اور حقوق کے غصب کرنے کی مقدمہ بازی زوروں پر ہے۔ معاشرہ کا عام اخلاقی انحطاط اس پر مہمیز کا کام کر رہا ہے۔ مستحق اور مظلوم لوگ سخت مشکل میں ہیں۔ اور اس قسم کی سفارش کے متلاشی اور متمنی کہ خدارا اُن کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ لوگ با بانگ دہل شریف مگر کمزور لوگوں کے حقوق اور جائدادوں پر ڈاکہ ڈال کر عدالتوں کی معرفت اپنے ناجائز اقدام کو استحکام یا دوام بخشتے ہیں۔ جھوٹی قسمیں اور جھوٹی شہادتیں عدالتوں میں بے عیب سمجھی جاتی ہیں۔ با اثر لوگ ناجائز سفارش اور غیر قانونی کام کروانے کو ہی جائز مدد تصور کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں منصب قضا دیندار اور خدا خوف لوگوں کا متلاشی ہے جو اپنی جان پر کھیل کر بھی لوگوں کے حقوق کی حفاظت کریں مگر حکومت کا کم از کم اتنا فرض تو ضرور ہے کہ اُن کے مشاہرے ایسے مقرر کرے کہ ان کی جائز ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ اُن کو بچوں کے داخلے۔ رہائش کے حصول اور سواری کے لیے کسی کے سامنے سوال دراز نہ کرنا پڑے اور حکمران تعیناتی کے وقت صحیح اشخاص کا انتخاب کریں۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ رشوت دینے والا۔ رشوت لینے والا یا رشوت کے مواقع مہیا کرنے والے اور مدد کرنے والے میں کوئی فرق نہیں رشوت کے متعلق قرآن حکیم میں (سورۃ بقرہ ۱۸۸) اللہ رب العزت کا واضح حکم ہے کہ "تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقعہ مل جائے" احمد ابو داؤد اور ترمذی میں بحوالہ المنتقی جلد دوم حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ فیصلے میں رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے السنن الکبریٰ بیہقی میں حضرت ابو سعید الساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکام کو دیے جانے والے ہدایا اور تحائف ناجائز ہیں ۔ ایک اور روایت بحوالہ طبرانی ، المعجم الکبیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ رشوت سے کر فیصلہ کرنا کفر ہے اور لوگوں کا رشوت دینا سخت گناہ ہے ۔

ایک اور اہم تقاضا مقدمات کو بلا تاخیر نپٹانے کا ہے شروع اسلام میں تحریری دعوؤں وغیرہ کا رواج نہ تھا لوگ اپنے فیصلے زبانی بتاتے اور دوسرے فریق کو زبانی سن کر اور شہادت لیکر زبانی ہی فیصلے کر دیے جاتے عام طور سے ایک آدھ پیشی پر فیصلہ کر دیا جاتا ۔ آجکل کے دور میں ضابطوں پر بہت زیادہ زور ہے اور ہر کام تحریری ہوتا ہے ۔ اس پر نگرانی وغیرہ کی مزید پالیسیں مستزاد ۔ حال یہ ہو گیا ہے کہ دیوانی مقدمات اگر ایک نسل کے اندر آخری عدالت تک طے پا جائیں تو اسے خوش قسمتی کہا جاتا ہے فوجداری مقدمات کا حال بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں ۔ لوگ اکثر اوقات سزا بھگت سکے گھر واپس آجاتے ہیں تو ان کی اپیلوں کی باری آتی ہے ۔ سزائے موت یافتہ قیدیوں کو سالوں سال قید تنہائی کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں پیشتر اس کے کہ ان کی اپیل کی باری آئے ۔ یہ حالات اسلامی عدل کے سرسر منافی ہیں ۔ میں نے سعودی عرب میں دیکھا کہ وہاں دیوانی مقدمات کا فیصلہ آخری عدالت تک اوسطاً تین ماہ یا اس سے کم مدت میں ہو جاتا ۔ یہ درست کہا جاتا ہے کہ تاخیر سے فیصلے در اصل انصاف دینے سے انکار کرنے کے مترادف ہے ۔ اس لیے اس منصب پر آنے والے اشخاص قرآن و حدیث سے واقف ۔ دنیاوی مسائل سے خبردار ۔ تجربہ کار اور ذی شعور ہونے چاہیں تاکہ مسائل کو تھوڑے وقت میں سمجھنے کے علاوہ فریقین میں سے جو بھی تاخیری حربے اپنانے کی کوشش کرے انہیں کامیاب نہ ہونے دیں ۔

اسلام میں قاضی کے لیے ضروری ہے کہ نہ تو وہ عوام سے زیادہ روابط رکھے اور نہ ہی حکومت سے مراعات کا متمنی ہو ۔ اپنے مقررہ مشاہرہ کے علاوہ کسی قسم کا ہدیہ نہ تو عوام سے وصول کرے اور نہ حکومت سے ۔ کسی خاص دعوت یعنی ایسی دعوت جو قاضی کے لیے ہی کی گئی ہو یا اس کی حاضری سے مقصود فخر یا لوگوں کو مرعوب کرنا ہو تو نہ جائے اگر عام ہے اور قاضی عام طور پر ایسی دعوتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جاتا ہے تو چلا جائے نیز اگر میزبان اُس کے قاضی ہونے سے قبل بھی اسے دعوت دیتا تھا تو چلا جائے اور اگر صرف قاضی بننے پر بلا رہا ہے تو مت جائے۔ اسی طرح اگر طعام و قیام پہلے کی طرح ہے تو چلا جائے ورنہ احتراز کرے۔ مدعا یہ ہے کہ پہلے سے ملنے والے نہ تو قاضی کا عہدہ ملنے پر اسے مغرور ہو جانے کا الزام دیں اور نہ ہی قاضی بن جانے کی وجہ سے اُس کی سابقہ تواضع میں اضافہ کریں۔ اسی طرح جب فریقین اس کے سامنے پیش ہوں تو دونوں سے برابر کا سلوک کرے چاہے ایک طرف بادشاہ ہو اور دوسری طرف کنگال۔ اسی صورت میں اگر قاضی ایک طرف کوئی بھی رعایت دے تو دوسری طرف ویسی رعایت دے۔ یہاں ایک تاریخی واقعہ بیان کرنا بے جا نہ ہوگا سندھ کے ایک مدبر اور انصاف پسند عادل حاکم جام سنجر کو شکایت ملی کہ بکھر کا قاضی رشوت لیتا ہے۔ اُس نے تفتیش کے لیے ایک افسر بھیجا جس کے سامنے قاضی نے اقرار کیا کہ وہ دونوں فریقوں سے برابر ہدیہ وصول کرتا ہے اور اگر گواہان اس کی عدالت ختم ہونے سے قبل چلے نہ جائیں تو کچھ نہ کچھ اُن سے بھی وصول کر لیتا ہے۔ اُس کی وجہ اس نے یہ بتائی کہ اُس کا مشاہرہ بہت کم ہے اور منصب قضا چونکہ عبادت ہے لہذا اُسے چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کرنا اسے پسند نہیں حالات معلوم ہونے پر جام نے قاضیوں کی تنخواہ اتنی مقرر کی کہ وہ مالی مشکلات سے بے نیاز ہو گئے۔

میرا خیال ہے کہ ادب القاضی کے ضمن میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانِ عدل جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو تحریر فرمایا بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور اُسے من و عن نقل کر دینا ہی بہترین عمل ہے۔ فرماتے ہیں:

"بعد حمد صلوٰۃ کے واضح ہو کہ قضا ایک ایسا فریضہ ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے اور ایسی سنت ہے جس کی پیروی ضروری ہے اس لیے جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو خوب سوچ سمجھ لو اور جب حق واضح ہو جائے تو ضرور نافذ کرو کیونکہ حق کے مطابق فیصلہ کر دینا اور نفاذ نہ ہونا بے سود ہے۔ لوگوں کو اپنی مجلس عدالت اور حضور میں اور انصاف میں (مساوات) سے رکھو تاکہ صاحبان عزت کے دل میں تمہاری جانب سے رو رعایت کی طمع پیدا نہ ہو اور کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں۔ جو شخص دعوے کرے اُس پر بارِ ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مسلمانوں میں صلح جائز ہے۔ بشرطیکہ اُس کی وجہ سے حلال حرام یا حرام حلال نہ ہو۔ اور جو شخص کسی پر کسی معاملہ میں دعوٰے کرے بار ثبوت کے لیے کچھ مدت دو۔ اِس مدت میں اگر وہ ثابت کر دے تو اس کو حق دلا دو اور اگر ثابت نہ کر سکے تو دعوٰے خارج کر دو کیونکہ یہ بہر صورت مناسب و موزوں ہے۔ اور کل اگر تم فیصلہ کر چکے ہو اور آج اس کے خلاف تم پر حق ظاہر ہو تو یاد رکھو کہ پہلے فیصلے سے تمہیں رجوع کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہونا چاہیے کیونکہ تمہارے غلط فیصلہ سے پہلے ہی حق اپنی جگہ ثابت اور قدیم ہے اور حق کو کوئی فیصلہ باطل نہیں کر سکتا۔ نیز حق کی طرف لوٹ آنا باطل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔ اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے لیے ثقہ اور عادل ہیں سوائے ان کے جو جھوٹی گواہی دے چکے ہوں یا سزائیں دُرّے کھا چکے ہوں یا ولا اور قرابت کی جانبداری سے مشکوک ہوں کیونکہ دلوں کے راز تو خدا ہی جانتا ہے اور حدود میں جب تک وہ قسم اور گواہی کے ذریعہ کھلے طور سے ظاہر نہ ہوں سزا نہیں دلائی گئی۔ خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ خوب جان لو اور جو معاملہ اور مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو اور اُس کے بارے میں کوئی حکم قرآن شریف اور حدیث میں نہ ہو اس کے متعلق کامل غور و خوض کرو اور اس کی مثالوں اور نظائر پر اس کو قیاس کر کے فیصلہ کر دو پھر خدا پر بھروسہ رکھو۔"

"دیکھو فیصلے کے وقت غصہ۔ کینہ۔ بغض اور اذیت دینے اور غافل رہنے سے ایسا ڈرو جس طرح خوفناک چیز سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ مقدمات کو غور سے سُن کر ان کا فیصلہ حق کے مطابق کرنا بہت بڑا ثواب ہے۔ حق کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے جس کی نیت خالص ہو اگرچہ لوگ اُس کو بُرا کہیں تو اُس کو نیک بدلہ دینے کے لیے خدا کافی ہے۔ خُدا اُس کے اور بدنام کنندوں کے درمیان ہے۔ نفس کے لگاؤ کے ساتھ فیصلہ کرنا خدائی دشمنی کو خریدنا ہے۔ کیونکہ خدا کسی عمل کو بغیر اخلاص نیت کے قبول نہیں کرتا۔ اُس کی رحمت کے خزانوں اور دنیا میں روزی اور رزق کے معاملے معاملات اور مقدمات میں حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں کس قدر عظیم ثواب اور اجر ہے اس کے متعلق تمہارا کیا قیاس و گمان ہے؟ تم پر سلامتی اور خدا کی رحمت ہو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشتر نخعی کو جو ہدایات ارسال کیں اُن کا حوالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا "میرے نزدیک رعیت میں جو سب سے بہتر ہو اسے حاکم بنا جس کی وجہ سے معاملات کے تصفیہ میں تنگی بھی نہ ہو اور اہل معاملہ کو خوشامد کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ وہ جو لغزش کو طول نہ دے اور حق پالینے کے بعد حق کی طرف رجوع کرنے سے نہ رکے۔ جس کا نفس طمع کی طرف مائل نہ ہو۔ جو سرسری طور پر اکتفا نہ کرے بلکہ پوری توجہ کو لازم کرے۔ جو شبہات پر ٹھہر کر غور کرے اور دلائل اخذ کرے اور معاملہ میں رجوع کرنے سے پریشان نہ ہو۔ حقیقی معاملہ کے انکشاف میں صبر سے کام لے۔ حکم واضح ہونے کے بعد تیزی سے جاری کر دے۔ طمع اُس کو مائل نہ کر سکے۔ ایسے لوگ کم ہیں۔ فیصلوں کی نگرانی زیادہ کرے۔ اُس کی تنخواہ اس قدر ہو کہ حاجت دور ہو جائے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے۔ اس کو بہترین درجہ عزت کا عطا کر جو دوسروں کا نہ ہو تاکہ لوگوں سے عزت طلبی سے مامون ہو جائے"۔

جیسا سورۃ نسار آیت ۵۹ کے حوالہ سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے ایک اسلامی حکومت میں ہر قسم کی خصومات و تنازعات جو ایک فریق کے دوسرے فریق سے اپنے حقوق و معاملات سے متعلق ہوں یا ایک شخص کے دوسرے شخص یا حکومت کے خلاف ہوں یا ایک شخص کے حکومت کے کارندوں کے خلاف ان کی زیادتی یا غیر قانونی کردار سے ہوں یا حکومت یا کسی شخص کی دوسرے شخص یا اشخاص سے جنایات حدود و قصاص سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان فیصلوں کا اختیار صرف اور صرف عدلیہ کو ہے۔

اسلام میں حقوق و حدود کا تعین صرف اور صرف قرآن حکیم و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکام یا طے شدہ اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ زمانے کے بدلتے حالات میں اور انحطاط اقدار میں کسی فعل کو جرم قرار دینا جب تک قرآن و سنت کے کسی غیر مبہم اصول یا کلیہ سے ثابت نہ ہو اس کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ مزید برآں کسی بھی فعل کے جرم قرار دینے سے قبل واقعات کی سزا بھی نہیں دی جا سکتی اسلام میں ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ جب تک قانون کی تشہیر ایسی نہ ہو کہ مکلف کو اس سے واقفیت ہو جائے اُسے سزا نہیں دی جا سکتی۔

حافظ ابن قیم الطرق الحکیمہ میں لکھتے ہیں کہ جھگڑوں کے فیصلے۔ حقوق کو ثابت کرنا۔ عورتوں کے نکاح و طلاق و نفقہ اور بیع و شرا کے معاملات شرعی کی صحت اور باطل ہونا یہ سب قاضی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیارات ہیں ابو الحسن بغدادی احکام السلطانیہ میں رقم طراز ہیں کہ اگر قاضی اپنے عہدے کے تمام اختیارات میں پورا پورا آزاد ہو تو اُس کے مندرجہ ذیل شعبے ہوں گے۔

۱۔ جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

۲۔ غاصب سے مستحق کو حق دلوانا۔

۳۔ جنون۔ کم سنی وغیرہ کی وجہ سے جو شخص اپنی جائداد کے بارے میں ممنوع التصرف ہو اُس کو نگرانی میں لینا۔

۴۔ اوقاف کی نگرانی کرنا۔

۵۔ وصیتوں کو نافذ کرنا۔

۶۔ کنواری لڑکیوں کے نکاح کے بارے میں کفو کی نگرانی جبکہ اِن کے ولی نہ ہوں۔

۷۔ حدود کا جاری کرنا۔

۸۔ راستوں اور مکانوں کے بارے میں ناجائز قبضے کی دیکھ بھال۔

۹۔ گواہوں امینوں کو منظور کرنا اور نائبوں کا مقرر کرنا۔

۱۰۔ قوی اور ضعیف۔ شریف و وضیع کے درمیان عدل و مساوات کرنا۔

۱۱۔ علاوہ ازیں بعض قاضیوں کے تحت محکمہ دار الضرب (سکہ) کی نگرانی بھی ہوتی تھی۔

۱۲۔ رمضان المبارک کے چاند کو دیکھنے کے لیے شہر سے باہر کھلی فضا میں نکلنا بھی قاضی کا کام تھا تاکہ چاند کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق صحیح خبر دی جا سکے۔

ابن الفرسس فرماتے ہیں کہ قاضی کا عہدہ وقتی اور قاضی کے احکام زمانہ اور جگہ اور واقعات و حوادث کے لحاظ سے مقید ہو سکتے ہیں۔ اس لیے جو قاضی کسی خاص خطہ زمین کے لیے مقرر ہو اُس کے فیصلے وہاں تک محدود ہوں گے۔ ابو عبداللہ زبیری فرماتے ہیں کوئی کم سے کم زمانہ ایسا نہیں گذرا جب بصرہ میں ہمارے پاس علما میں سے جامع مسجد میں نائب سلطان بنا کر قاضی نہ بنایا گیا ہو۔ ایسے قاضی کو قاضی مسجد کہتے تھے ان کی تنخواہ کم و بیش بیس دینار اور دو سو درہم ہوتی تھی۔ ابن خلدون کے مطابق خلفاء کے زمانے میں قاضی کے اختیارات صرف خصومات تک محدود ہوتے تھے لیکن بعض مثالیں استثنائی ہیں۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی ابو ادریس خولانی کے ذمے فصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصومات کے سوا مظالم کی نگہداشت بھی کر دی تھی ۔ مامون رشید نے اپنے قاضی یحییٰ بن اکثم کو اور معتصم نے قاضی احمد بن داؤد کو اس قسم کے اختیارات سونپے تھے کندی نے اپنی کتاب القضاۃ میں لکھا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے قاضی مصر سلیم بن عتر کے ذمہ فوجداری معاملات بھی سپرد کر دیے تھے ۔ عابس بن ربیعہ مرادی قاضی مصر کو قضا اور پولیس دونوں محکموں کے اختیارات حاصل تھے ۔ مامون رشید نے یحییٰ بن اکثم کے اور اندلس کے عبدالرحمٰن ناصر نے منذر بن سعید کے عہدہ قضا کے ساتھ فوج کی قیادت بھی سپرد کر دی تھی ۔ عبدالعزیز بن مروان کے زمانہ میں قاضی عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خدیج کے سپرد یتیموں کے اموال کی نگرانی تھی ۔ ہشام بن عبدالملک نے توبہ بن نمر قاضی مصر کے ذمہ اوقات کی نگرانی کی تھی ۔

متذکرہ مثالوں سے واضح ہے کہ خصومات کے تصفیہ اور حقوق کے تحفظ اور غصب کے مقدموں کے علاوہ بھی اختیارات قاضیوں کے سپرد تھے ۔ مگر ان واقعات سے اسلام میں عدلیہ کے اختیارات کے متعلق تسلی بخش نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ۔ لہٰذا ہم دوبارہ سورۃ نساء کی آیت ۵۹ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں ۔ آیت مبارکہ میں حکم ربانی ہے کہ تابعداری کرو اللہ کی ۔ اس کے رسولؐ کی اور اولی الامر کی لیکن اگر کسی مسئلہ پر اختلاف یا تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دو ۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر اختلاف یا تنازعہ ہو تو اسے اولی الامر کی طرف نہیں لوٹانا ۔ اس سے سمجھ میں آنے والی پہلی بات یہ ہے کہ اولی الامر کی عقل و سمجھ اور ان کے فیصلہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر کوئی ایسا اختلاف اولی الامر کے سامنے پیش ہو تو اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی عقل و فہم کی بجائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی روشنی میں فیصلہ کرے ۔ ایک دوسری بات جو واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اولی الامر ہی نے کوئی حکم دیا ہے یا قانون بنایا ہے یا ضابطہ تیار کیا ہے اور کوئی شخص اس سے اس بنا پر اختلاف کرتا ہے کہ وہ قرآن یا سنت سے متصادم یا منافی ہے تو مسئلہ اولی الامر کی بجائے کسی اور کے پاس (عدالت) کے پاس جائے گا جو اس کا قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے ۔ بہرحال آخری فیصلہ اولی الامر کے علاوہ حاکم (عدالت) کا ہی ہو گا ۔ یہی حکم انتظامیہ سے عدلیہ کی علیحدگی کا باعث ہے ۔

قرآن و سنت میں ایسا کوئی حکم نہیں کہ ایک شہر میں ایک قصبہ میں یا ایک قسم کی خصومات میں صرف ایک ہی قاضی ہو ۔ لہٰذا حکومت وقت اپنی صوابدید پر جیسے چاہے خصومات کو علاقہ کو تقسیم کر سکتی ہے اور اس کے مطابق قاضیوں کا تقرر کر سکتی ہے ۔ پھر قرآن و سنت میں یہ بھی کوئی ممانعت نہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی کے فیصلہ کے خلاف اپیل یا نگرانی کسی اونچی عدالت میں نہ کی جائے بلکہ نظر ثانی (رجوع) سے متعلق تو اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سچ ظاہر ہو جانے پر قاضی کا فرض ہے کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے اور حقدار کو حق دلائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب مملکت وسیع ہو گئی اور انتظامی کام بڑھ گیا تو مدینے میں آنحضرتؐ نے چند قاضی مقرر فرمائے جو فیصلے کیا کرتے تھے البتہ اِن کے فیصلوں کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مرافعہ (اپیل یا نگرانی) ہوتا تھا۔ ہر علاقہ کا والی نہ صرف عاملانہ عہدہ دار ہوتا تھا بلکہ وہ عدلیہ کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا اور حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا تھا۔ یہ حاکم خود سرکار دوعالم کی زندگی میں مقدمات فیصل کرتے تھے اور دیگر مستقل قاضیوں کی طرح اِن کے فیصلوں کے خلاف بھی آنحضرتؐ کے پاس مرافعے ہوتے تھے غرض خاص مدینے میں ہر قبیلے کے عریف۔ نقیب۔ مفتی اور قاضی ابتدائی عدالت کے فرائض انجام دیتے تھے اور انتہائی عدالت مرافعہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی صوبوں اور قلعوں میں عامل یعنی گورنر ہی سپہ سالاری اور مالی فرائض کے علاوہ قاضی اور محتسب کا کام بھی کرتے تھے اور اِن کی کارروائیوں اور فیصلوں کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مرافعے آتے تھے۔ آپ کے پاس استصواب بھی ہوتا تھا اور آپ عہدہ داروں کے غلط فیصلوں اور غلط کارروائیوں کی صُورت میں ان پر نظر ثانی بھی کرتے تھے۔

جیسا اوپر بتایا گیا۔ اسلام میں عدلیہ کی ذمہ داری ہے کہ فیصلے قرآن وسنت کے مطابق کرے۔ ارشاد ربانی ہوا کہ اے رسولؐ لوگوں کے درمیان اِن احکام کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کئے ہیں (المائدہ آیت ۴۸) اور لوگوں کے لیے کہا کہ اے رسولؐ۔ تمہارے ربّ کی قسم لوگ اُس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہیں جب تک وہ اپنے باہمی تنازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تم جو فیصلہ کرو اِس پر اپنے دِلوں میں بار محسوس نہ کریں اور تمہارے ہر حکم اور ہر فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم نہ کریں۔ (النسار ۶۵)۔ اِن آیات کریمہ سے اِس حقیقت میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قانون اللہ کا۔ عدالت حضور صلعم کی اور ذمہ داری باشندگان کی کہ اپنے تنازعات صرف انہی عدالتوں میں لے کر آئیں۔ اُسی قانون کے مطابق فیصلے کرائیں اور پھر ان فیصلوں کو نہ صرف قبول کریں بلکہ اِس طرح سے قبول کریں کہ ان کے دلوں پر کوئی بار نہ ہو۔ ساتھ میں ایمان والوں کے لیے ایک ضابطہ بھی تجویز فرما دیا۔ مثلاً حکم دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ لین دین کے معاملات کو ضبط تحریر میں لایا کرو اور اس پر آپس میں دو گواہ مقرر کر دو اور اگر دو گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں وغیرہ۔ (البقرہ : ۲۸۲) وصیت کے لیے بھی کہا کہ دو گواہ کر لو (۵ : ۱۰۶-۱۰۸) اور طلاق کے لیے بھی (۶۵ : ۲) یہ ہدایات اس لئے ہیں کہ مغالطہ نہ رہے۔ ثبوت آسان ہو اور مقدمہ بازی کم ہو۔

اسی طرح عدلیہ کے لیے رہنما اصول بھی متعین فرما دیے۔ قانون کا اطلاق یوم نفاذ سے ہوتا ہے کسی پچھلی تاریخ سے نہیں (۵ : ۹۵، ۵ : ۹۳، ۴ : ۲۲-۲۳، ۲ : ۲۷۵)۔ اس کے برعکس باقی تہذیبوں اور غیر اسلامی حکومتوں میں پارلیمنٹ اگر چاہے تو نئے جرائم بنا کر اُن کو ماضی کی تاریخوں سے نافذ کر کے اپنے دشمنوں اور دیگر ناپسندیدہ لوگوں کو سزائیں دے سکتی ہے۔ یہ کس قدر غیر مہذب فعل ہے مگر پارلیمنٹ کے اختیار سے باہر نہیں دوسرا اصول یہ ہے کہ جرم کی سزا اس کے مثل ہو گی زیادہ نہیں (۲۲ : ۶۰-۶۲، ۱۶ : ۱۲۶ و ۱۰ : ۲۶-۲۷ و ۶ : ۱۶۱) تیسرا اصول ہے مجرمین کا پشت پناہ بننا جرم ہے (۲۸ : ۱۷، ۴ و ۱۰۵) اور مجرم اگر ساری دنیا کی دولت بھی کفارہ میں دینا چاہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۶ : ۷۰، ۱۰ : ۵۴) اور سزا کا نفاذ نہ کسی سفارش سے رک سکتا ہے اور نہ حمایت و پیسہ سے (۲ : ۱۲۳، ۲ : ۴۸)

چوتھا اصول ہے کہ مجرم کی جگہ کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جا سکتی (۱۲ : ۷۹) اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۶ : ۱۶۵)

پانچواں اصول ہے متحارب فریقوں میں عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور ان میں قسط قائم کرو۔ (۴۹ : ۹) چھٹا اصول ہے کہ ہر آدمی بے قصور ہے تا وقتیکہ اُس پر جرم ثابت ہو جائے (۲۴ : ۱۲، ۱۹)

علاوہ ازیں انسان کے دیگر بنیادی حقوق بھی وضاحت سے بیان کر دیے اور ایسے کئی اصول بھی یہی نہیں انصاف کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ جب ہم لین دین۔ وصیت۔ طلاق وغیرہ کے قرآنی احکام دیکھتے ہیں کہ اُن میں لکھ لینے اور گواہ مقرر کرنے پر زور ہے اور اُس کے ساتھ جب شہادتوں (گواہیوں) کے متعلق پڑھتے ہیں تو یہ بات معاً سامنے آتی ہے کہ اسلامی نظام عدل میں فیصلہ شہادتوں پر ہونا ضروری ہے۔ سورۃ نساء آیت ۱۳۵ اور مائدہ آیت ۸ میں فرمایا کہ اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے۔ اللہ کیلیے گواہی دینے والے بنو اگرچہ شہادت اپنے مفاد کے خلاف ہو یا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو یا ایسے شخص کے جا ہے دولتمند ہے یا غریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم خواہش نفس کا اتباع مت کرو اور حق و انصاف سے نہ ہٹو۔ سورۃ الانعام آیت ۱۵۲ میں فرمایا
اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف سے کرو چاہے جس کے مقابلہ میں کرو وہ قرابت دار ہی ہو اور اللہ
سے ڈرو اور سیدھی بات کرو (الاحزاب : ۷۰) اور نہ تو سچ کو جھوٹ کے ساتھ ملاؤ اور نہ سچ کو چھپاؤ
(البقرہ : ۴۲)

آنحضرت صلعم نے عدل گستری کا یہ بنیادی اصول قرار دیا کہ بغیر ثبوت کے کسی دعوئے کو صحیح نہیں مانا جا سکتا مدعی کے ذمہ شہادت و بار ثبوت اور مدعا علیہ پر قسم۔ چنانچہ حدیث میں امور تنقیح طلب اور پیش شدہ شہادت کی جانچ کے لیے بہت احکام ملتے ہیں مثلاً قاضی کا فرض ہے کہ وہ روداد پر فیصلہ کرے اور اپنی نجی معلومات کو داخل نہ کرے۔ دونوں فریقین کو ایک ساتھ سن کر اور ان کی شہادت کو جانچ پرکھ کر فیصلہ کرے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حاکم عدالت کے سامنے فریقین کا حاضر رہنا اور دونوں کی شہادت پیش ہونا ضروری ہے آپ کے فیصلوں کی نوعیت کے متعلق مسند احمد بن حنبل میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے۔ ان دونوں کے درمیان ورثہ کا جھگڑا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سننے سے قبل ارشاد فرمایا کہ تم دونوں رسول اللہ کے پاس اپنے جھگڑے کے تصفیے کے لیے آئے ہو۔ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص اپنی چرب زبانی کے بل پر اپنے حق میں ایسی دلیلیں پیش کرے۔ جو دوسرا پیش نہ کر سکے میں تو اپنی دلیلوں کے مطابق فیصلہ کروں گا جو میرے سامنے پیش کی جائیں گی۔ لیکن یاد رکھو کوئی شخص اگر میرے فیصلے کے باوجود اپنے بھائی کی جائداد کا کچھ حصہ ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو در اصل وہ اپنے لیے آگ کا ٹکڑا حاصل کرتا ہے۔ قیامت کے دن وہ آگ کا ٹکڑا اس کے گلے میں پڑا ہوگا اور وہ بھڑکنی سے اسے بھڑکا رہا ہوگا۔"

اسلامی نظام عدل میں قاضی از خود کسی تنازعہ میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ یہ بات سورہ نساء آیت ۶۵ اور سورہ النور آیت ۵۱ سے عیاں ہے کہ مدعی کو اپنا تنازع عدالت کے پاس لانا ہے۔ یہی حقیقت حضرت صفوان بن امیہ کے واقعہ سے بھی ظاہر ہے جب اس نے حضور سرور کائنات سے کہا کہ رسول اللہ کیا میری ناچیز چادر کی وجہ سے اس شخص کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم ہوا ہے یا رسول اللہ اس چادر کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اس شخص کے لیے ہبہ کرتا ہوں اور اس طرح اپنا حق اٹھا لیتا ہوں مگر ارشادِ گرامی ہوا یہ کام میرے سامنے مقدمہ پیش کرنے سے پہلے کیوں نہ کر لیا۔ اب یہ نہ ہوگا۔ ایک دوسری بات یہ ہے کہ اسلام میں نیک سفارش کا بدلہ نیکی ہے (النساء: ۸۵ و المائدہ: ۲) مگر حدود میں سفارش نہیں جب بنو مخزوم کی ایک خاتون کا چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو یوں کہا "اے اسامہ تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل اس لیے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں معزز لوگ جرم کرتے تو سزا نہ دیتے اور جب معمولی درجہ کے لوگ جرم کرتے تو پوری پوری سزا دیتے۔ اسامہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کی مرتکب ہو تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے ہی موقع پر کہا "جب سفارش حدود اللہ میں کی جانے لگے جن کا جاری کرنا امیر پر واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے سفارش کرنے والے اور قبول کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "فرمایا رسول اللہ صلعم نے جس کا جذبہ سفارش اس قدر بڑھ جائے کہ اللہ کی حدود میں سفارش کرنے لگے یقیناً اس نے اللہ کے حکم کا مقابلہ کیا وہ خدا کے احکام کے اجرا میں مانع ہوا اور جو جان بوجھ کر باطل کا طرفدار بنا وہ ساری عمر نزع کے وقت تک خدائی ناراضی میں گرفتار رہے گا" اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حدود میں مجرم کی طرف سے سفارش کرنے والا دراصل حدود کے اجرا میں رکاوٹ بنتا ہے اور وہ اللہ کے احکام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے مستوجب سزا ہے۔ لہٰذا سفارش سے اجرائے حدود میں رکاوٹ بننا یا بطور حاکم یا حکومت ایسی رکاوٹ ڈالنا ایک برابر ہے۔ مزید برآں وہ رکاوٹ بدترین جو یہ سمجھ کر لگائی جائے کہ نعوذ باللہ اللہ کا قانون فرسودہ۔ دقیانوسی یا وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں۔ عقل ناقص کی یہ جرأت ہی اس وقت امن و امان کی ابتری کی وجہ ہے وہ قومیں جو اپنے آپ کو تہذیب یافتہ اس لیے سمجھتی ہیں کہ انہوں نے حیرت کن ایجادات سے دنیا کی ہیئت اور انسان کی بود و باش بدل کر رکھ دی ہے اپنے شہریوں کے جان و مال و عزت کو تحفظ دینے میں سراسر ناکام ہیں ہم جب قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ چند جرائم جن کے متعلق اللہ رب العزت نے مکمل اور واضح قوانین دیے یہ "مہذب" قومیں الٰہی کی نافرمانی کر کے اس حالت کو پہنچی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ اے "عقل و خرد رکھنے والو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے (اور امید ہے تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے" (۲:۱۷۹) کس قدر سچ ہے۔ لہذا اسلامی عدلیہ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ اللہ کے اُن واضح اور مکمل قوانین کے اجرا میں سرمو انحراف نہ ہونے دے نظامِ کائنات کا دارومدار صحیح توازن پر ہے اور اگر اس میں کہیں ذرا سا بھی توازن بگڑ جائے تو سارا نظام تہس نہس ہو جاتا ہے ۔ اس لیے معاشرہ کے قیام اور اُس کے نشو و نما کا دارومدار قانون خداوندی کے احترام اور تنفیذ پر ہے ۔ کسی کے حقوق میں کمی کرنا ۔ کسی کا واجب ادا نہ کرنا ۔ کسی کا حق نہ دینا یا کسی طرح سے بے انصافی کرنا ظلم کہلاتا ہے حدود اللہ سے تجاوز کرنا بھی ظلم ہے (۲:۲۲۹، ۵:۴۵) اور ظلم کی وجہ سے سارا معاشرہ لپیٹ میں آجاتا ہے وہ صرف ظالمین تک محدود نہیں رہتا (۸:۲۵) اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت ۴۵ میں فرمایا ہے کہ ظالم قوم کی جڑ کٹ جاتی ہے اور دنیا اطمینان کا سانس لیتی ہے ۔ ایک مسیحی بادشاہ نے ایک عباسی خلیفہ کے نام خط لکھا کہ "اہل بغداد تمہارے لیے تباہی ہے تم بھاگنے کے لیے تیار ہو جاؤ کیونکہ تمہارا ملک ضعیف و ناپائیدار ہے ۔ تم ذلت کے ساتھ حجاز کو واپس ہو جاؤ اور ذی عزت رومیوں کے شہر خالی کر دو ۔ ہم تم پر اسی وقت غالب ہوئے جبکہ تمہاری سلطنت میں ضعیف پر طاقتور انسان ظلم کرنے لگے ۔ تمہارے اعمال بدترین ہو گئے قاضی فیصلوں کو اس طرح فروخت کرنے لگے جیسے یوسف علیہ السلام چند کھوٹے درہم میں بیچ دیے گئے" عباسی خلیفہ نے اس خط کا جواب یوں لکھا " تم کہتے ہو کہ عیسائی اس وجہ سے ہم پر غالب آگئے کہ ہمارے قاضیوں نے ظلم شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ عدالتی فیصلے فروخت کرنے لگے ۔ ہاں تم یہ بالکل حق بات کہتے ہو۔ لیکن اس طرح تم نے ہمارے دین کی صداقت کا اقرار کر لیا ہے جب کہ ہم نے ظلم کیا تو ظالموں سے واسطہ پڑا ۔"

لہٰذا قوم کی بقا عدل و میزان اور احکام خداوندی کی تنفیذ میں ہے اور یہ فریضہ عدالتوں کا ہے لہٰذا اس ملک کی بقا یا خدانخواستہ تباہی عدلیہ کے ہاتھ میں ہے ۔ حالات زیادہ حوصلہ افزا نہیں ۔ لہٰذا دست بدعا ہو جائیں اللہ کریم ہمیں صحیح راستہ پر گامزن کرے ۔ آمین بجاہ النبی الکریم ۔

© rasailojaraid.com